بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

دستوری رپورٹ کے پاس شدہ حصّے کے روشن و تاریک پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے ہم نے قوم کے سربراہ کاروں کی جس فراری ذہنیت کا تذکرہ کیا تھا، اس کے کچھ اور کرشموں کا تکلیف دہ تذکرہ ہمیں دل پر پتھر رکھ کر کرنا ہے۔ ہم نے بقیہ رپورٹ کو معرضِ التوا میں ڈال دینے کو بھی اسی ذہنیت کا کرشمہ قرار دیا تھا۔ اس بدگمانی کے لیے ہمارے پاس اُس وقت تک صرف یہ استدلال ہو سکتا تھا کہ فرصتِ التواء کو اس رپورٹ کے "اسلامی" جوہر کے حق میں فضا ساز گار کرنے کے لیے تو ہمارے اکابر نے برائے نام حد تک بھی استعمال نہ کیا، لیکن دوسری طرف اس اسلامی جوہر کے خلاف انتشار پیدا کرنے کی ایک مہم ضرور اٹھنے لگی، اور اس مہم کا نہ صرف یہ کہ نوٹس نہ لیا گیا، بلکہ اندیشہ ہے کہ اسے تائیدِ غیبی سمجھا گیا۔ اس سلسلے میں کسی قدر تفصیل ضروری معلوم ہوتی ہے:۔

ڈان (کراچی) میں ایک بزرگ نے کئی قسطوں کے ایک مقالے میں اتاترک کے "کارنامے" کا نقشہ کھینچتے ہوئے ہمارے سربراہ کاروں کو یہ پٹی پڑھانے کی کوشش کی کہ جس طرح مصطفیٰ کمال نے اپنی مذہب پسند قوم اور اس کے علماء کے ساتھ گہری چال چلی تھی اور اس چال کے تحت اوّل اوّل اپنی انتہا پسندانہ لا دینیت کو اخفا میں رکھ کر کسی قدر مذہبیت کو بھی گوارا کر لیا تھا، اور پھر آہستہ آہستہ اپنی سیاسی پوزیشن مضبوط کر لینے اور حالات کو قابو میں لے چکنے کے بعد اچانک مذہب پسندی کا لبادہ چاک کر کے اسلامی رجحانات کے خلاف ایک کھلا کھلا معرکہ شروع کر دیا تھا، تم بھی اسی طرح اپنی قوم اور اس کے اسلامی رجحانات کے ساتھ داؤں لڑاؤ۔ کمال جسارت یہ ہے کہ یہ درسِ تزویر برسرِ عام ایک کثیر الاشاعت اخبار کے کالموں میں دیا گیا۔ یہ ہماری دستوری رپورٹ کے اسلامی جوہر کے خلاف پہلا گوریلا حملہ تھا۔

ادھر منکرینِ حدیث تھے کہ جو گذشتہ چار برس میں "قراردادِ مقاصد" کے خلاف محض اس بنا پر تاؤ

کھا کھلا کرو اویلا کرتے رہے ہیں کہ اس میں قرآن کے ساتھ سنّت کو بھی ہماری اسلامی ریاست کے لیے ماخذِ ہدایت اور اتھارٹی کی حیثیت کسی نہ کسی طرح دے دی گئی تھی۔ رسالت و سنّت کے اِن مخالفین نے کوئی کسر اس کوشش میں اٹھا نہیں رکھی کہ اس قرارداد مقاصد پر قلم نسخ پھر جائے اور ایک نئی قراردادِ مقاصد ان کے حسب منشا مرتب ہو۔ اب دستوری رپورٹ کے زیر بحث آنے سے پہلے بھی اس کی بحث کے دوران میں بھی، اور پھر اس کے ایک حصے کے پاس ہو جانے کے بعد بھی ان کی جانب سے برابر مخالفانہ مہم جاری ہے۔

علاوہ بریں مشرقی پاکستان کے کمیونسٹ اور ہندوستان دوست عناصر بھی دن رات ایک کر کے اس کے خلاف فضا بنانے میں مصروف ہیں۔ علی الاعلان مخالفانہ تقریریں ہوتی ہیں، کھلم کھلا اخبارات میں دستوری رپورٹ کو رد کرنے کے لیے مقالے اور مراسلے شائع ہوتے ہیں، اور جلسوں میں اس کے خلاف قراردادیں تک آتی ہیں۔ حد یہ ہے کہ حالیہ الیکشن میں گنا تنتری دَل (GANATANTRI DAL) اپنے انتخابی منشور کی سب سے پہلی شق ہی یہ رکھتا ہے:-

"بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی غیر جمہوری[1] رپورٹ کی مزاحمت کرنا"

اِن چیزوں کا تذکرہ ہم اس لیے نہیں کر رہے ہیں کہ اسلامی نظام زندگی کو نہ چاہنے والے عناصر کے اظہار رائے پر ہمیں کوئی شکایت ہے۔ ہم اُن کا حق تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اسلام کو چاہنے والی اکثریت کے سامنے اپنے دلائل رکھ کر اگر اس کی رائے تبدیل کرنے کے موقع سے فائدہ اٹھا سکتے ہوں تو ضرور اٹھائیں۔ ہمیں جس چیز پر اظہارِ افسوس کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی دستور کے قافلے کا مقدمۃ الجیش و قنفذ التواد کی اس سعئِ انتشار پر اس معنی خیز طریق سے خاموش ہے کہ جیسے اس کی دلی مراد بر آ رہی ہو اور اسے غیبی کمک مل رہی ہو۔

بظاہر یہ نری بدگمانی معلوم ہوگی —— اور اسی لیے ہم نے پہلے اس کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن ایک ایسا تازہ واقعہ ایسا ہے کہ جو اس بدگمانی کی صحت کے لیے دلیل قطعی بن گیا ہے۔ ریڈیو پاکستان کی

---

[1] "غیر جمہوری" کے الفاظ میں جو اپیل ہے اُس سے ہر جمہوریت پسند متاثر ہوگا، لیکن یہاں یہ اس مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں کہ رپورٹ سیکولر جمہوریت پر مبنی نہیں ہے بلکہ دینی مزاج رکھتی ہے۔

طرف سے اپنے سامعین کے حلقے میں دستوری رپورٹ کے پاس شدہ حصے کے بعض اہم اجزا پر استصواب رائے[1] شروع کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو حصے جمہور کی اکثریت کی مرضی کے مطابق پاس ہو چکے ہیں اُن کے بارے میں ریڈیو پاکستان کا کام رائے عام کو اور زیادہ متعاون اور متحد بنانا ہے یا انتشار کی ایسی فضا تیار کرنا کہ جس کے وجود میں آجانے کے بعد اُن حصوں پر از سرِ نو غور کرنا ضروری ہو جائے؟ پھر اگر ایسی ضرورت، بالفرض پیش بھی آجائے تو استصواب ریڈیو کے سامعین کے حلقے سے (اور یہ حلقہ زیادہ تر خوشحال لوگوں پر مشتمل ہے) ہونا چاہیے تھا یا عام آبادی سے؟ پھر دستور کے کسی جزء کے بارے میں استصواب کرانے کا فیصلہ کرنا دستور ساز اسمبلی کا، اور اس کا انتظام کرنا مرکزی حکومت کا کام ہے یا ریڈیو پاکستان کے ڈائرکٹر کا؟ لیکن ریڈیو پاکستان یہ استصواب کر رہا ہے اور نہ صدر دستور ساز اسمبلی حائل ہوتے ہیں، نہ وزیر اعظم نہ کوئی اور!

اس واقعہ سے ہم بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ فرصت التوا، کو تمام انتشار پیدا کرنے عناصر کی کمک کے ساتھ) دستوری رپورٹ کے اسلامی جوہر کو کمزور کرنے میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ ریڈیو پاکستان کا اصل فرض یہ تھا کہ وہ دستوری رپورٹ کے اسلامی جوہر کی قدر و قیمت کو واضح کرنے اور عوام کو اس پر مطمئن کرنے اور اس کے مطابق ذہنی و عملی تبدیلیاں پیدا کرنے کی تلقین میں مصروف ہوتا، لیکن الٹا رائے عام کو دو حصوں میں بانٹنے اور ریڈیو کے ذریعے ان کو آمنے سامنے لانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ پھر تعجب یہ کہ نہ ہمارے وزیر اعظم نے ریڈیو پاکستان کو اس پر ٹوکا، نہ صدر دستور ساز اسمبلی نے گرفت کی، اور نہ گورنر جنرل نے باز پُرس کی!

یہ واقعہ گواہ ہے ہماری اُس بدگمانی کی صحت کا جو "التوا" کے مقصد کے بارے میں پیدا ہو گئی ہے۔

لیکن قابلِ ذکر تنہا یہی ایک ناخوشگوار واقعہ نہیں ہے، اس ایک واقعہ کو تو نظر انداز بھی کیا جا سکتا تھا۔ انتہائی افسوسناک تو غیر اسلامی تہذیب و معاشرت کی وہ طوفانی مہم ہے جو اسلامی دستور کے

---

[1] مثلاً تسمیہ کی دفعہ پر رائے طلبی کی جا رہی ہے کہ "جمہوریۂ اسلامیہ پاکستان" موزوں نام ہے یا نہیں؟

بنیادی نظریہ ہے۔ اس کے اصل مقاصد اور اسلامی اخلاقی قدروں کو ملیا میٹ کرنے کے لیے ٹھیک انہی بزرگانِ ملت کی سرپرستی و حمایت کے بل پر چل رہی ہے جو "اسلامی دستور" کے قافلہ سالار بھی ہیں۔ ایک بار ہمیں پھر اسی خطرناک کھلے تضاد سے سابقہ آپڑا ہے جس کا مظاہرہ مسلم لیگ کی قیادت نے قرارداد مقاصد پاس کرنے کے بعد کیا تھا۔ ایک بار ہم پھر اسی ماڈرن اور ترقی پسند اسلام سے دوچار ہیں جس کے طوفان کے ایک ریلے نے کتاب و سنت کے اسلامی تصورات کو اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔ ایک بار پھر ہمارے سامنے لاالہ کہنے والی زبانوں کے ساتھ "دل و نگاہ" کی اسی "نامسلمانی" کا منظر ہے جس نے عوام کو قراردادِ مقاصد کی معنویت کے بارے میں سخت شبہ میں ڈال دیا تھا۔

• دستوری رپورٹ کے رہنما اصولوں میں اسلام کے تقاضوں اور جمہور پاکستان کے مطالبے کے مطابق جو اہم فیصلے کیے گئے ہیں اُن میں سے خاص طور پر حسب ذیل کو سامنے رکھیے:۔

(۱) ریاست کی ہر پالیسی اور سرگرمی کو قراردادِ مقاصد کے منشا کے مطابق رکھنا۔

(۲) مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی زندگیاں قرآن و سنت کے مطابق استوار کرنے کے قابل بنانا اور اس سلسلے میں من جملہ دیگر امور کے زنا کاری کی ہر شکل کا سدِّباب کرنا اور عوام میں اسلامی اخلاق کو فروغ دینا۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مستقل ادارہ قائم کرنا۔

(۳) ملت میں پاکستان کے نظریہ و نصب العین کا شعور پیدا کرنا۔

اسلام کے یہ واضح تقاضے ہیں اور ان کو اختیار کرنا ایک اسلامی ریاست کے لیے ناگزیر ہے لیکن یہ تقاضے محض کاغذ پہ چند الفاظ لکھے جانے سے تو پورے نہیں ہو سکتے۔ یہ زندگی کی تعمیر نو چاہتے ہیں۔ پس کسی قوم کے اکابر جب تعمیرِ نو کا عزم ––– بلکہ دستوری فیصلہ ––– کر لیتے ہیں تو فیصلہ کے لمحے ہی سے وہ اپنی زندگی میں بھی تعمیری تبدیلیوں کا آغاز کرتے ہیں اور پوری قوم اور معاشرے کے اندر بھی اپنے فیصلے کے مطابق نئی بنیادیں رکھ کر ان پر عمارت اٹھانے میں لگ جاتے ہیں۔ اہل خلوص کا راستہ ہمیشہ یہی رہا ہے۔ دنیا کی کسی قوم میں جب کبھی بھی انقلابی فیصلے ہوئے ہیں تو ان فیصلوں سے ہمیشہ ایک نئی تاریخ بنانے کا آغاز ہوا ہے۔ وہ انقلاب فرانس ہو، یا انقلاب روس، وہ امریکہ

کی جنگِ آزادی ہو یا ترکیبہ کی کشمکشِ تعاقد، وہ ایک قوم پرستانہ دستور کی تدوین ہو یا اسلامی آئین کی تسوید، تبدیلی کے علمبردار بن کے جو لوگ فیصلے کرتے ہیں وہ کبھی بھی الفاظ سے نہیں کھیلتے رہتے بلکہ اپنے ایک ایک بول کو عملِ معنی سے لبریز کر دیتے ہیں عمل کی دنیا میں اگر اپنے الفاظ کے لیے معنی نہ پیدا کیے جائیں تو محض الفاظ ــــ چاہے وہ پارٹیوں کے فیصلے ہوں، لیڈروں کے عزائم ہوں، قوموں کے دستور ہوں، ــــ سونے کے حروف سے بھی لکھ رکھے جائیں تو پھر بھی وہ معانی کے محض مزار بن کے رہ جاتے ہیں! ایک قومی فیصلے اور ایک دستور کے حرف حرف اور نقطے نقطے سے تبدیلی، زندگی، ترقی اور روشنی کے سوتے اُبل اٹھنے چاہئیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب کسی قومی فیصلے یا دستور کے الفاظ پر قیادت اس درجے کا ایمان رکھنے والی ہو کہ ایک ایک شق کے اندر اس کا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہو۔ ورنہ اگر قرآن کی ساری آیتیں بھی کتابِ آئین میں لکھ دی جائیں تو بے عزم قیادت ان کی معنویت کو بھی عملاً غارت کر سکتی ہے۔

اوپر جن اسلامی عزائم کا ہم نے حوالہ دیا ہے، آپ کو یاد ہو گا کہ گذشتہ سال ایک طرف ان کو الفاظ کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے کاوشیں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف بنگالی طلبہ و طالبات کا ایک کاروانِ[1] رقص و سرود مغربی پاکستان کے شہر شہر اور کالج کالج میں گھمایا جا رہا تھا۔ مشرقی پاکستان کے اس "تحفۂ اسلام" کا خیر مقدم کرنے والے، اسے اپنی برکتوں سے نوازنے والے اور اس کے لیے دیدۂ و دل فرشِ راہ بنانے والے ہمارے برسرِ اقتدار طبقے کے وہ تمام چیدہ چیدہ حضرات تھے جو اسلامی دستور کے مقدمۃ الجیش میں شامل ہیں۔ اس وفد کو اس والہانہ شان سے سر آنکھوں پر بٹھایا گیا جیسے ریاست

لہ دراصل اس وفد کے ذریعے مغربی پاکستان پر اثر ڈالنا مطلوب ہو گا کہ دیکھو مشرقی پاکستان تو "ماڈرن اسلام" اور ترقی پسندانہ اسلامی کلچر" میں کہیں کا کہیں جا چکا ہے، تم کیوں جھجک رہے ہو، آگے بڑھو! لیکن امرِ واقعہ برعکس اس کے یہ ہے کہ مشرقی پاکستان ابھی تک اس تصورِ اسلام اور اس تصورِ ترقی سے بہت پیچھے ہے اور مغربی پاکستان (خصوصاً پنجاب) سے ذمہ دار سرکاری افسر جا جا کر وہاں مغربی بے پردہ معاشرت کی چھوت عوام میں پھیلا رہے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں عوام کے اندر موجودہ لیڈرشپ سے بیزاری کے محرکات میں سے ایک یہ محرک بھی ہے۔

کی پالیسی اور اس کی سرگرمیوں کو قراردادِ مقاصد کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے، جیسے مسلمانوں کی زندگیوں کو کتاب و سنّت کی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے، جیسے زنا کی ہر شکل کا سدِّباب کرنے کے لیے، جیسے عوام میں اسلامی اخلاق کا معیار بلند کرنے کے لیے، جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے کے لیے، اور جیسے ملّت میں پاکستان کے نظریہ و نصب العین سے وابستگی پیدا کرنے کے لیے یہ ایک تائیدِ غیبی تھی جو خوش قسمتی سے ہاتھ لگ گئی تھی۔ ایک طرف اس "جلدوئے بنگال" کا مظاہرہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف فضا کے پس منظر میں اسلامی دستور کا جنین پرورش کے آخری مراحل طے کر رہا تھا!

بات ایک بنگالی وقت تک ہی محدود ہوتی تو ہم اس سے چشم پوشی کر لیتے۔ لیکن یہاں اسی سلسلے میں اور بہت کچھ ہو رہا ہے۔ حکومت کی عین سرپرستی میں دیہات میں تہذیب اور کلچر کے فروغ کے لیے اور سوشل اصلاح و ترقی کے لیے نوجوان عورتوں اور مردوں کے مخلوط تربیتی مراکز کھول کر چپ چاپ ہمارے معاشرے کی بنیادوں کے نیچے ڈائنامیٹ رکھے جا رہے ہیں۔ ان سنٹروں کے تربیتی کام کے اہم پہلو یہ ہیں:-

—— عورتوں اور مردوں میں بے تکلفانہ میل جول بڑھانا۔

—— پردے اور اسلامی معاشرت کی دوسری قدروں کا خاتمہ

—— مذہب کی تضحیک کرنا اور اس سے تنفر اور گریز پیدا کرنا

—— مغربی آرٹ اور کلچر کا ذوق اُبھارنا۔

اس طرز کے ایک سنٹر کی جو روداد ہمیں موصول ہوئی ہے اور جس کا ملخص چراغِ راہ میں شائع ہو چکا ہے وہ بڑی تشویشناک ہے۔ اس نظامِ تربیت میں مضبوط مذہبی احساس رکھنے والوں کو بالکل نہیں لیا جاتا اور کمزور دینی جذبات کی بیخ کنی کر دی جاتی ہے۔ اس کے حلقے میں پاکستان کی اسلامی تحریک کے خلاف منافرت پیدا کی جاتی ہے۔ رواجی حد تک پردہ کی خوگر خواتین جو برقعے لے کر گئی

تھیں، کورس پورا کرکے نکلیں تو بر فعول کو خیرباد کہہ چکی تھیں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مراکز تربیت غیر ملکی زرِ امداد سے چل رہے ہیں۔ اس سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ غیر ملکی زرِ امداد کیا کیا گُل کھلا سکتا ہے۔ فورڈ فاؤنڈیشن مشن نے ڈالر آپ پر نچھاور کیے ہیں تو کسی مقصد سے کیے ہیں۔ یہ مالِ مفت درحقیقت بڑا مہنگا پڑے گا۔ مقصود حقیقی یہ ہے کہ ہماری آبادی کو امریکی کلچر کی ذہنی غلامی میں مبتلا کر دیا جائے تو اس سے دوہرا فائدہ ہوگا۔ ایک یہ کہ ہماری قومی آئیڈیالوجی جس پر دستور اور ریاست کی بنا استوار کی جا رہی ہے پروان چڑھنے سے پہلے مرجھانے لگے گی، اور مغربی کلچر کے سیلاب میں اسلام کی فکری و اخلاقی قدروں کا استوار کرنا ممکن نہ رہے گا۔ دوسرے یہ کہ ذہنی غلامی کی فضا میں امریکہ کے لیے وہ خاص تاثر عوام میں پیدا ہوسکے گا جس کے ہوتے ہوتے وہ اپنے مفاد پرستانہ عزائم نسبتہً زیادہ آسانی سے پورا کرسکے۔ چنانچہ فورڈ فاؤنڈیشن مشن نے اپنا "دوستانہ ہدیہ" براہِ راست ہماری حکومت کی تحویل میں دے کر اس کے اپنے منشا (DISPOSAL) پر نہیں چھوڑا ہے، بلکہ اس نے تاک کر ایک ایسی تنظیم کے حوالے کیا ہے جو اسے ٹھیک ان مقاصد اور ان طریقوں سے خرچ کرنے کے لیے موزوں ترین ہوسکتی ہے جو اس مشن ــــ اور بہ حیثیت مجموعی امریکی اقتدار ــــ کے پیش نظر ہیں۔ یہاں ایک "اپوا" ہی تو معاشرتی "تعمیر و ترقی" کے میدان میں گامزن نہیں ہے، "آل پاکستان ویمینز کانفرنس" اور "بنات پاکستان" نامی تنظیمیں بھی ہیں (جن میں بالکل تھوڑا تھوڑا فرق مراتب ہے۔ یعنی "ترقی پسند"، "ترقی پسند تر"، "ترقی پسند ترین" کے مدارج ترتیب معکوس سے ان کو حاصل ہیں) لیکن ان تینوں میں سے صرف "ترقی پسند ترین" کے نام پر قرعۂ فال پڑا ہے۔

لہ اس بات کا تذکرہ کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ حال ہی میں "آل پاکستان ویمینز کانفرنس" کی آرگنائزنگ کمیٹی نے حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ غیر ملکی زرِ امداد تمام زنانہ تنظیموں میں تقسیم کرکے سب کو یکساں مواقع اور مساویانہ سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ یوں اب غیر ملکی زرِ امداد کے لیے آزاد پاکستان کی معاشرتی اصلاح چاہنے والی تنظیمیں "مطالبۂ حقوق" کریں گی اور یوں ایک دوسری کے ساتھ اس زرِ امداد کو اس کے مقاصد پر صرف کرنے میں مسابقت کریں گی۔

سوچنے کی بات ہے کہ یہ سعادت جو "بزورِ بازو" نہیں مل سکتی، اس کے لیے معیارِ نامردگی کیا تھا!

بہرحال اب یہ نظامِ تربیت اندر اندر نہایت خاموشی کے ساتھ ٹھیک کسی مشنری ادارے کی سی دوررس اسکیم بنا کر کام کر رہا ہے ـــ اور انہی اربابِ اقتدار کی سرپرستی سے برکت اندوز ہو کر رہا ہے جو اسلامی دستور کے پائلاٹ بھی ہیں۔ سطح کے اوپر وہ اسلامی معاشرہ کی تعمیر کے خوش آئند نقشے بنا رہے ہیں اور سطح کے نیچے اس معاشرہ کی رہی سہی اسلامی قدروں کو بھی بھک سے اڑا دینے کے لیے بڑے پیمانے پر بارود بچھ رہی ہے۔ ان حضرات کا کمال یہ ہے کہ یہ اُدھر بھی پیش پیش ہیں، اِدھر بھی آگے آگے!

قاعدے کی بات ہے کہ جب کوئی مفید تحریک یا کوئی مہلک فتنہ قوم کے بڑے اور اقتدار پر قبضہ رکھنے والے حضرات کا سایۂ شفقت پا لیتا ہے تو وہ معاشرے میں پوری طرح اٹھ پڑتا ہے اگر ہمارے دستور ساز حضرات، خصوصاً اس کارنامے کی سربراہی کرنے والی قیادت اسلامی آئیڈیالوجی، اسلامی اخلاق اور اسلامی تہذیب و معاشرت کی سرپرست بن کر اٹھ کھڑی ہوتی تو ہر طرف احیائے اسلام کے جذبہ کی لہریں اٹھنے لگتیں اور دوسری طرف غیر اسلامی نظریات و اخلاق اور غیر اسلامی تہذیب و معاشرت کی کھیتیوں پر بادِ سموم گذر جاتی۔ لیکن برعکس اس کے چونکہ یہاں قدر افزائی اسلام کُش آرٹ اور کلچر کی ہے اس لیے تاریخ کے اٹل قوانین کے تحت بالکل قدرتی طور پر ہمارے معاشرے میں فتنہ ہائے قلب و نظر اور آفت ہائے سمع و بصر کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ گذشتہ چند ماہ کے اخبارات کے اوراق دیکھیے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک دم ہر طرف "ماڈرن اسلام" کے سوتے اُبل پڑے ہیں۔

مثلاً آزاد پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد جدت و ترقی کی طرف یہ قدم بالکل پہلی مرتبہ گذشتہ دسمبر میں اٹھایا گیا ہے کہ "بدن بنانے کی انجمن" نے مس جون ہنٹ کو، جو "مس برطانیہ" کے لقب سے موسوم ہیں، دعوت دے کر "مسٹر پاکستان" کے انتخاب کی تقریب منائی ہے۔ مس برطانیہ کو مسٹر پاکستان کا انتخاب کرنے والے ججوں میں اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ اوّل تو ایک ایسی چیدہ روزگار عورت کی

نگاہ ہی تو صحیح معیارِ فیصلہ بن سکتی ہے، دوسرے انجمن کو جو برکت مس صاحبہ کے وجود سے حاصل ہوتی وہ کسی اور ذریعے سے کہاں حاصل ہو سکتی تھی۔ افسوس اس پر ہے کہ یہ مغربی وبا جس کا اگلا قدم خدانخواستہ "مس پاکستان" کا انتخاب ہو سکتا ہے، ٹھیک اس زمانے میں داخل ہوئی ہے جبکہ پاکستان کی پیشانی پر جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے الفاظ ثبت کرنے والے قلم کی روشنائی بھی خشک نہ ہوئی ہوگی۔ یہ مس صاحبہ محمد اقبال بٹ صاحب کے سر پر "مسٹر پاکستان" کا زریں تاج رکھ کر ۱۷ جنوری کو یہاں سے رخصت ہوئی ہیں۔

"تازہ واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ "اپوا" کے زیرِ اہتمام برٹ انسٹی ٹیوٹ ہال میں جو فرنگی معاشرت کی چھوت کو پھیلانے کا ایک مشہور اڈا ہے "کہکشاں" کے عنوان سے ایک رنگیلا پروگرام (VARIETY SHOW) پیش کیا گیا ہے۔ اس پروگرام کی ہدایت کاری ملک حسیب احمد صاحب نے فرمائی ہے۔ اس پروگرام کے تحت ایک صاحبہ "نور جہاں" بنیں اور دوسری صاحبہ نے "انارکلی" کا بہروپ بھرا۔ دونوں کی اداکاری خوب سراہی گئی۔ ایک اور خاتون صاحبہ کے لباس اور آراستگی کو حاضرات کی طرف سے بڑی تحسین ملی۔ اس پروگرام کے بیچ بیچ میں بیگم عزیز نقی (مع پارٹی) کے رنگین ناچ نے سب کو خوب محظوظ کیا۔

کمال یہ ہے کہ اس رنگین محفل کو ہمارے صوبے کے ذمہ دار ترین حاکم کی بیگم صاحبہ نے اپنی شرکت سے نوازا، حالانکہ عوام اپنی ایک عظیم مرتبے کی بہن سے کچھ اور امیدیں رکھتے ہیں۔

زیادہ دیر کی بات نہیں کہ دیال سنگھ کالج کی ڈرامیٹک کلب کے زیرِ اہتمام "روپ متی اور باز بہادر" کی مشہور سیاسی و رومانی کہانی کو مردوں اور عورتوں نے مخلوط اداکاری سے اسٹیج کیا۔

اور سنیئے! پاکستان آرٹ کونسل کے اہتمام سے "الحمراء" میں (جو برٹ انسٹی ٹیوٹ ہال کے بعد مغربی تہذیب و معاشرت اور آرٹ اور کلچر کو فروغ دینے کا ایک اور مرکز ہے) آغا شاہ حکمت سفیرِ ایران برائے ہند کی تواضع کے لیے ایک "نمائندہ پروگرام" پیش کیا گیا۔ "نمائندہ" کے اسم صفت

سے غالباً یہ مراد ہو کہ پاکستان کی اسلامی آئیڈیالوجی، اسلامی اخلاق اور اس کے دستور کے اسلامی مقاصد کو پیش کرنے کے لیے پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔ اس پروگرام کے تحت پنجاب کے دیہاتی ناچ، ستار کی دھنوں، اور رقص و سرود کے کمالات کو پیش کیا گیا۔ افتتاح اقبال کے "ساقی نامہ" سے ہوا جو مولوں کو شہبازوں سے لڑانے کے لیے لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد غزلیں راگ، "مرزا صاحباں"، "ہیر" اور "یوسف زلیخا" ڈھولک اور گھڑے چمٹے کے ساتھ سامان تواضع بنائے گئے۔ گانے اور ناچ کے اس پروگرام میں مردوں اور عورتوں نے مخلوط حصہ لیا۔ اخبار ی رپورٹ بتاتی ہے کہ اس تقریب میں شہر کے منتخب روزگار عنصر (ELITE OF TEH CITY) رونق افروز ہوا۔

"اسلامی دستور" سے بہرہ اندوز ہونے والے پاکستان نے یہ پیشکش کی ہے آقائے حکمت کے ذریعے ایران کے سامنے! یہ پیغام ہے جو ایک نوخیز "جمہوریۂ اسلامیہ" کی طرف سے اپنے ایک مسلمان پڑوسی ملک کو دیا لیا۔

اوران حوصلہ افزا مثالوں نے جو تحریک پیدا کر دی ہے اس کے زیر اثر مزید تنظیمیں انہی مقاصد کے لیے وجود میں آ رہی ہیں۔ مثلاً لاہور میں ابھی ابھی ایک تنظیم "ایسٹ بنگال ایسوسی ایشن" کے نام سے قائم ہوئی ہے جس کا مقصد وجود ناچ، گانے اور آرٹ کی خدمت ہے۔ اس مقصد کے لیے مستقبل قریب میں ایک سمپوزیم کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح ایک اور نیا ادارہ "پنجاب کے شوقیہ گانے والوں کا دائرہ" کے نام سے قائم ہوا ہے جس میں کچھ پروفیسر قسم کے حضرات زیادہ تر شریک ہیں۔

یعنی بجائے اس کے کہ دستوری رپورٹ کے اندر کی اسلامی دفعات کے پاس ہونے کے بعد ایسے اشخاص اور عناصر آگے بڑھتے، ایسی سرگرمیاں فروغ پاتیں اور ایسے نئے ادارے چاروں طرف وجود میں آنے لگتے جو اسلامی روایات اور قدروں کی آبیاری کرتے، الٹا جو کچھ آگے آ رہا ہے وہ بلا استثناء کسی ایک ادنیٰ مثال کے، اسلامی معاشرہ کی بچی کھچی روایات اور قدروں کے لیے بھی تباہ کن ہے۔

مغربی آرٹ اور کلچر کی برق خانہ سوز جو خطرناک اثرات ڈال رہی ہے اُن کا صحیح جائزہ تو تقاریر جرائم اور نوعیت جرائم کے ذریعے ہی لے سکتے ہیں، مگر دو ایسی چیزیں سامنے آتی ہیں کہ کسی نہ کسی حد تک وہ بھی ان اثرات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ لاہور کے ایک روزنامے کے نمائندہ خصوصی نے پشاور کے بک اسٹالوں سے معلومات جمع کر کے یہ جائزہ لیا ہے کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ذہنی رجحانات کیسے ہیں۔

ایک خاص بک سیلر کی رپورٹ یہ ہے کہ اُس نے گذشتہ ایک ماہ میں شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کی دو مکمل مجلدات، غبارِ خاطر (مولانا آزاد) کی چھ جلدیں، الفاروق، امام غزالی، کلامِ اقبال (مختلف مجموعے) فیض احمد فیض کی دستِ صبا اور نقشِ فریادی میں سے ہر ایک کی نصف درجن یا کچھ زائد جلدیں، اور مسلمان تاریخی شخصیتوں کی سیرت پرستی کتابیں درجنوں کی تعداد میں فروخت کی ہیں۔ ان کتابوں کے خریداروں میں کالجوں کے نوجوان طلبہ کی تعداد نمایاں تھی[1]۔ کچھ ادبی ناول بھی بکے۔

دوسری طرف کالج کی نوجوان لڑکیوں کے ذوق کا اندازہ اس سے کیجیے کہ شمع (دہلی) رومان (کراچی) ڈائرکٹر اور فلم لائٹ (لاہور) بہیشہ ان کے اوّلیں اور لازمی مطلوب (FIRTS & MUSTS) ہیں۔ اس حلقے میں ہیلتھ اینڈ ایفی شنسی (جو تحریک عُریانیت و غسلِ آفتابی کا مصور ترجمان رہا ہے) کی مستقل خریداری ہے۔ کچھ لٹریچر امورِ خانہ داری پر بھی اِن کے ہاتھ بکتا ہے۔ لڑکیاں ادبی کتابیں زیادہ تر منٹو، عصمت، اسلم اور بعض اور دوسرے اور تیسرے درجے کے مصنفین کی پڑھتی ہیں۔

یہ بک سیلر حیرت سے بیان کرتا ہے کہ گذشتہ مہینے میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی لڑکی بغیر اپنے گھر کے سرپرستوں کے تنہا آئی ہو اور ان سرپرستوں نے مذہب و سیرت کے موضوع کی کوئی نہ کوئی کتاب نہ خریدی ہو، لیکن اس کے باوجود "PHOTOS OF ARTISTIQUES" (نام سے ان تصاویر کی نوعیت واضح ہے) کے خریداروں کی اکثریت اسکولوں اور کالجوں کی لڑکیوں ہی پر مشتمل تھی یعنی والدین، بھائی اور شوہر سامنے کھڑے دیکھتے رہتے ہونگے کہ ان کی تعلیم یافتہ بیٹی یا بہن یا بیوی ان کی کمائی کے عوض میں کیسا شاندار ایمان رُبا اور اخلاق سوز --- دماغی زہر خرید رہی ہے۔

[1] بہر حال ملک کے اندر جو اسلامی رجحانات کارفرما ہیں، ان کا خوشگوار اثر بھی اپنی جگہ نمایاں ہے۔

ایک سیلزمین نے یہ بھی بیان کیا کہ بہت سے ایسے خریدار (بالعموم اَن پڑھ نوکر) بھی آتے ہیں جن کے ہاتھوں میں پرچہ ہوتا ہے جس پر عریانی آموز رسالوں اور فحش تصاویر کے نام لکھے ہوتے ہیں۔ خریداری کا یہ طریقہ ایسی لڑکیاں اختیار کرتی ہیں جو دوکان پر آکر علی الاعلان ان چیزوں کو خریدنے کی جسارت نہیں رکھتیں۔

ایک اور سیلزمین نے جو زیادہ پُر رونق بازار میں بیٹھتا ہے، بیان کیا کہ عریانیت لکھنے والا سامان مطالعہ اس کے ہاں سے زیادہ تر نوکروں کے ہاتھوں پرچہ بھیج کر ہی منگایا جاتا ہے۔ اس کی اپنی رائے یہ تھی کہ ضروری نہیں کہ یہ سارا لٹریچر لڑکیاں ہی منگاتی ہوں، لڑکے بھی بسا اوقات یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

یہ پشاور جیسے (جو ہنوز پسماندہ ہے) شہر کے سمندر میں سے چند لہروں کا جائزہ ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مغربیت کا زہر کس طرح کام کر رہا ہے اور نئی نسل ـــ بالخصوص لڑکیوں ـــ کے قلب و دماغ میں کس تیزی سے نفوذ کرتا جاتا ہے۔

دوسری رپورٹ اُسی مذکورہ بالا اخبار کے کالموں میں گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کی سالانہ ضیافت کے بارے میں شائع ہوئی ہے جو "پنڈی کلب" (راولپنڈی) میں ۱۶ فروری کو منعقد ہوئی۔ اس کے متعلق اخباری نمائندے کے اپنے الفاظ یہ ہیں:-

ـــــ اس اجتماع نے ہمارے سوشل اور کلچرل اجتماعات کا ایک گھٹیا منظر پیش کیا۔

ـــــ جس طریقے سے مہمانوں کی تواضع کی گئی اور جو انداز ان کے ملبوسات کا تھا وہ صد فی صد غیر ملکی اور ناموزوں تھا۔

ـــــ غالباً ہمارے لوگ ہوٹلوں اور کلب گھروں میں "امریکۂ خورد" تعمیر کر رہے ہیں۔

یوں ایک مہم کی مہم ہے جو پوری ذہنی غلامی کے ساتھ غیر ملکی اثرات کو ہماری معاشرت پر چھپک دینے کے لیے جاری ہے۔

یہ "قوم بگاڑ" تحریک جو مختلف اطراف سے حملہ آور ہے، ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتی ہے جبکہ وہ کسی مرشد خاص سے فیض حاصل کر کے نیا ولولہ (MOMENTUM) پیدا کر دے۔

حال ہی میں ایسا ہی ایک نئی ترین موقع نمودار ہوگیا۔

۵ فروری سے "اپوا" کا ہفتہ تاسیس منایا جاتا تھا۔ خوش قسمتی سے بیگم آغا خاں اس کے افتتاح کے لیے تشریف لے آئیں۔ اس ہفتے کی سرگرمیوں میں نہایت نمایاں حیثیت دو تقاریب کو حاصل ہے۔ ایک تقریب کی داستان نمائش البسۂ فاخرہ (FFNCY-DRESS SHOW) کے نام سے سامنے آئی ہے۔ اس نمائش میں بیگم آغا خاں سیاہ سرپوش کے ساتھ نمودار ہوئیں، پرنس علی خاں "عرب شیخ" کے لباس میں تھے، اور بیگم نون ایک یونانی کسان لڑکی کے روپ میں مسکراتی دکھائی دیں۔ اس فینسی ڈریس شو میں جو جوڑا انعام لے گیا وہ صغریٰ رحیم اور سرور واحد علی سے مرکب تھا۔ یہ جوڑا دھوبی اور دھوبن کا بھیس بنا کر شریک ہوا تھا۔ اس موقع پر جناب محمد علی صاحب وزیر اعظم بھی بہ نفس نفیس مع بیگم صاحبہ کے رونق افروز تھے۔ موصوف نے مجوزہ نیشنل آرٹ گیلری کے لیے رقم فراہم کرنے کی خدمت انجام دیتے ہوئے سر آغا خاں کے موقلم کی ایک تصویر کا نیلام فرمایا اور بولی ۱۶ ہزار روپیہ پر ختم ہوئی۔

دوسری تقریب "نقابی ناچ" (MASKED BALL) کی تقریب تھی جس میں ہمارے وزیر اعظم اور صوبہ سندھ کے گورنر اور دوسرے بڑے بڑے لوگوں نے اپنی بیگمات سمیت حصہ لیا۔ بے باکی کی انتہا یہ ہے کہ اس نقابی ناچ کے افسوسناک مناظر کھلم کھلا اخبارات میں شائع ہو کر پاکستان بھر میں پھیلے ہیں۔ اخباری تصویروں میں تفصیل یہاں تک پیش کر دی گئی ہے کہ یہ فلاں بزرگ ہیں اور فلاں کی بیگم کے ساتھ ناچ رہے ہیں، اور یہ فلاں بیگم صاحبہ ہیں اور فلاں کے ساتھ شریکِ رقص ہیں۔

ہمیں بتایا جائے کہ یہ سب کس اسلام کے کرشمے ہیں؟

کیا ان رنگ رلیوں کو اپنی سرپرستی سے نوازنے کی پالیسی قرارداد مقاصد کے تقاضوں کے مطابق ہے؟

کیا یہ مساعی ایسی فضا تعمیر کرنے کے لیے ہیں جس میں مسلمان اپنی زندگیوں کو کتاب و سنت کے اصولوں پر استوار کر سکیں؟

کیا یہ عوام کے معیارِ اخلاق کو بلند کرنے کا اہتمام ہے؟

کیا یہ زنا کو اس کی ہر شکل[1] میں ختم کر دینے کی مہم ہے؟

کیا یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اسکیم کا کوئی حصہ ہے؟

اِن چیزوں پر روپیہ صرف ہوتا ہے، وقت صرف ہوتا ہے، دماغی اور جسمانی قوتیں صرف ہوتی ہیں۔ لہٰذا قوم کو بتایئے تو سہی اس کے طے کردہ مقاصد میں سے یہ کس مقصد کی خدمت ہے؟

اس قوم کو دفاع کی قوت کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، یہ تعلیمی اداروں کو توسیع دینے کی محتاج ہے، یہ صحتِ عامہ کی سرگرمیوں کے معاملے میں سخت کوتاہ ہے، یہ اخلاقی بحالی کے لیے اکابر کی خدمات کی منت کش ہے، بیروزگاری کے چنگل سے نکلنے کے لیے سخت جدوجہد کی منتظر ہے ــــ ذرا بتایئے تو سہی کہ ان حقیقی قومی ضروریات کے لیے آپ نے کیا کچھ کیا؟ کیا آپ اِن ابتدائی فرائض سے فارغ ہو چکے ہیں کہ اب "طاؤس و رباب" کی سرمستیوں میں کھو جانے کا موقع نکل آیا ہے؟

اور پھر پاکستان کے مرکزی شہر میں ان رنگ رلیوں کو دیکھ کر آپ کی دستوری رپورٹ پر کیا گذری ہو گی!

اسلام کے حقوق کو تو الگ چھوڑ دیئے، سوال یہ تو کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان کی آبادی کا ایک بڑا حصہ وہ ہے جو لُٹ پِٹ کر، اپنی جڑوں سے اکھڑ کر، آنسوؤں اور خون کے دریا عبور کرتا ہوا یہاں پہنچا ہے اور از سرِ نو اپنی زندگی کو یہاں استوار کرنے کے لیے چھ سال سے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے، لیکن ابھی تک اس کے قدم نہیں جمے۔ اس آبادی کی کثیر تعداد بے روزگاری کا لقمہ ہو رہی ہے، ہزاروں مرد اور عورتیں دِق کا شکار ہو رہے ہیں، جہالت ہر طرف اپنا پرتو ڈالے ہوئے ہے، اسی قوم کی بہو بیٹیوں کی ایک بڑی تعداد انسانیت سے نابلد وحشیوں کی ہوس کا شکار بنی پڑی ہے، اس وطن کے زندہ جسم کا ایک اہم عضو، کشمیر بھارت کی چیرہ دستی کی چھری نے کاٹ کر الگ کر لیا ہے، اس کی اقتصادی بنیادیں ابھی تک محتاجِ تعمیر

---

[1] اسلامی تصورِ عصمت کی وسعت کے لحاظ سے ایک زنا آنکھوں کی زنا ہوتی ہے، ایک کانوں کی زنا ہوتی ہے، ایک ہاتھوں اور پاؤں کی زنا ہوتی ہے، قوتِ شامہ کی زنا ہوتی ہے، ــــ اور ہمارا قومی فیصلہ یہ ہے کہ زنا کی اِن ساری شکلوں کو نیست و نابود کر دینا ہے۔

ہیں، اس کے باشندوں میں ابھی دفاعی ضرورت کے لیے نظم و تربیت کا فقدان ہے — یہ سب کچھ نگاہ میں رکھ کر بتایا جائے کہ یہاں "فینسی ڈریس شو" سجتے ہیں، کیا یہاں "نقابی ناچ" بچتے ہیں، کیا یہاں "مینا بازار" ہمارے حالات کے ساتھ میل کھاتے ہیں؟

خدا کے لیے اس غریب، مصیبت زدہ، پیچیدگیوں میں مبتلا قوم پر رحم کیجیے!

ایک معذرت

ترجمان القرآن کے پرچوں کی اشاعت مدت سے مہینوں کے پیچھے پیچھے گھسٹ رہی تھی اس کوتاہی کو دور کرنے کے لیے اس مرتبہ تین ماہ کی یکجائی اشاعت کی تیاری کی گئی تھی۔ لیکن کاغذ کے سلسلے میں کچھ ایسی ناقابل بیان پیچیدگیاں پیش آگئی ہیں کہ معاً دو ماہ کا پرچہ نکالنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ نتیجہ یہ کہ رسائل و مسائل اور مطبوعات کے عنوانات متروک ہو گئے۔ اب اس کے فوراً ہی بعد اشاعت آئندہ مرتب کر دی جائے گی جس میں جملہ عنوانات بحال ہو جائیں گے

(ادارہ)